Fikr-o-Nasar (Islamabad) 26:2 (1988)

حقیقت تصـــوف

ڈاکٹر پیر محمد حسن

صوفی کا لفظ سنتے ہی اس لفظ کی ماهیت اور ان لوگـــوں کے اعتقادات اور اس مذهب کی بنیاد کے بارے میں ذهن میں سوالات اٹھنے لگ جاتے هیں ۔ هر شخص اپنے خیال اور اپنے ذهن کی ساخت کے مطابق اس میں معانی گھسیڑنا چاهتا ہے حالانکه درست بات لازمی طور پر وهی هوتی ہے اور هونی چاهیئے جو ان کے اپنے لوگ کہیں چنانچه یہاں همیں ابوالقاسم عبدالکریم بن هـوازن قشیری م۴۶۵ھ جیسی بزرگ هستی مل جاتی ہے ۔ قشیری صوفی، مفسر، محدث، فقیه، ادیب اور شاعر سبھی کچھ تھے ۔ انھوں نے اپنے رساله میں صوفی اور تصوف کے بارے میں الگ باب باندھا ہے، فرماتے هیں :

لیس یشهد لهذا الاسم من حیث العربیة قیاس ولا اشتقاق ۔

(عربی زبان کے اعتبار سے اس نام کی شهادت نه قیاس سے ملتی ہے نه اشتقاق سے)

اس کے بعد فرماتے هیں : والأظهر فیه أنه کاللقب (امر واضح یہی ہے که یه لقب کی طرح ہے) پھر فرماتے هیں :

أما قول من قال انه من الصوف وتصوف اذا لبس الصوف کما یقال تقمصّ اذا لبس القمیص فذلک وجه (۱) .

جو یہ کہیے کہ یہ لفظ صوف سے لیا گیا ہے اور تصوف کے معنی ہیں اس نے صوف پہنا جس طرح تقمص کے معنی ہیں اس نے قمیص پہنی تو یہ ایک وجہ ہو سکتی ہے۔

اس کے علاوہ جو دیگر احتمالات پیش کئے جاتے ہیں وہ قشیری کے نزدیک درست نہیں،فرماتے ہیں : جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ صفہ سے نکلا ہے اور صفة سے مراد صفه مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو یہ اس لئے درست نہیں کہ صفہ سے اسم نسبت صوفی نہیں آسکتا ۔ یا جن لوگوں نے اسے صفا سے مشتق سمجھا ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ صوفی کو صفا سے مشتق سمجھنا عربی زبان کے تقاضوں سے مطابقت نہیں کھاتا ۔ نیز جن لوگوں نے اسے صف سے مشتق سمجھا ہے اور مراد یہ لی ہے کہ اپنے دلوں کے ساتھ باگاہ رب العزت میں حاضر ہوتے ہوئے یہ صف اول کے لوگ ہیں تو معنی کے اعتبار سے یہ درست ہے مگر عربی لغت کے قوانین کے مطابق صف سے اسم نسبت صوفی نہیں آسکتا ۔

قشیری رحمہ اللہ نے بڑی وضاحت سے اس لفظ کی توجیہ بیان کر دی ہے لہذا اس وضاحت کے ہوتے ہوئے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنا غلط اور نامناسب ہے۔

مگر ہمارے مہربان مستشرقین اپنی پخ لگائے بغیر نہیں رہتے اور جو زہر ان کے دماغوں میں اسلام اور مسائل اسلام کے خلاف بھری ہوئی ہے اس کا اظہار کرنے سے باز نہیں آتے ۔ صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

وعندنا انهـا مشتقة من لفظة يونانية الأصل هى صوفيا ومعناهـا الحكمة (٢) .

(ہمارے نزدیک یہ لفظ ایک یونانی الاصل لفظ سے مشتق ہے اور یہ لفظ صوفیا ہے) جس کے معنی حکمت کے ہیں ۔

نولڈ کے (Noldeke) نے بھی تصوف پر ایک مقالہ لکھا ہے جس میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے (۳) راقم کہتا ہے کہ جرجی زیدان کا یہ کہنا کہ یہ یونانی لفظ صوفیا سے لیا گیا ہے غلط ہے کیونکہ عربی زبان کے اصولوں کے مطابق اس لفظ سے اسم نسبت صوفیاوی ہونا چاھیئے نہ کہ صوفی ۔

اب رھا یہ سوال کہ ان صوفیہ کے کیا عقائد ھیں اور ان کے مذھب کی بنیاد کس چیز پر ہے تو یہاں بھی قشیری رحمہ اللہ ھماری رھنمائی کرتے ھیں ، فرماتے ھیں :

اعلموا رحمکم اللہ أن شیوخ ھذہ الطائفة بنوا قواعد أمرھم علی اصول صحیحة فی التوحید صانوا بھا عقائدھم من البدع ودانوا بما وجدوا علیه السّلف وأھل السّنة من توحید لیس فیه تمثیل ولا تعطیل وعرفوا ما ھو حق القدم (۴).

تمھیں معلوم ہونا چاھیئے خدا تم پر رحم کرے کہ اس جماعت کے شیوخ نے تصوف کے اصولوں کی بنیاد توحید کے صحیح اصولوں پر رکھی ہے اور انھوں نے اپنے عقائد کو بدعتوں سے محفوظ رکھا ہے اور ان قواعد کی پیروی کی ہے جن پر انھوں نے سلف صالحین اور اھل سنت کو پایا ہے یعنی ایسی توحید جس میں نہ فرقہ ممثّلہ کی تمثیل پائی جاتی ہے نہ فرقۂ معطلہ کی تعطیل اور انھوں نے قدم یعنی خدائی قدیم کے حق کو پہچانا ہے۔

صوفیہ کے شیوخ کی لاتعداد ایسی عبارتیں پیش کی جا سکتی ھیں جن میں انھوں نے اپنے عقائد اور ان عقائد کی بنیاد کا ذکر کیا ہے۔ یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ھیں :

۱ ۔ ابوسلیمان دارانی متوفی ۲۱۵ ھ فرماتے ھیں :

ربما وقع فی قلبی النکتة من نکت القوم ایاماً فلا اقبل منه إلا بشاھدین عدلین الکتاب والسنة (۵) ۔

(بسا اوقات ایسا هوتا ہے که صوفیه کے نکات میں سے کوئی نکته کئی دن تک میرے دل پر وارد هوتا رهتا ہے مگر میں اسے دو عادل شاهدوں یعنی کتاب وسنت کی تائید کے بغیر قبول نہیں کرتا)۔

۲ ۔ ابو عبدالله الحارث بن اسد المحاسبی متوفی ۲۴۳ھ فرماتے هیں:

من صَحّحَ باطنه بالمراقبة والاخلاص زین الله ظاهره بالمجاهدة واتباع السنة (٦) ۔

۳ ۔ سهل تستری رحمه الله م ۲۸۳ھ فرماتے هیں :

اصولنا سبعة اشیاء التمسک بکتاب والإقتداء بسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم وأکل الحلال وکف الأذی وإجتناب المعاصی والتوبة و أداء الحقوق (۷) ۔

(همارے سات اصول هیں کتاب الله کو مضبوط پکڑنا ، رسول الله صلی الله علیه وسلم کی سنت کی پیروی کرنا ، حلال کی روزی کهانا، کسی کو دکھ نه دینا، گناهوں سے پرهیز کرنا ، توبه کرنا، اور لوگوں کے حقوق ادا کرنا ۔

۴ ۔ ابوالقاسم جنید بن محمد متوفی ۲۹۷ھ فرماتے هیں :

(أ) علمنا هذا مقید بالکتاب والسنة (۸) ۔

(ب) من لم یحفظ القرآن ولم یکتب الحدیث لا یقتدی به فی هذا الأمر لأن علمنا هذا مقید بالکتاب والسنة ۔

(جس نے نه قرآن حفظ کیا هو نه حدیث لکهی هو ، تصوف کے معامله میں اس کی پیروی نہیں کی جائے گی اس لئے که همارے علم میں کتاب و سنت کی قید پائی جاتی ہے۔

۵ ۔ ابوحمزه محمد بن ابراهیم بغدادی متوفی ۲۸۹ھ فرماتے هیں :

من علم طریق الحق سهل علیه سلوکه ولا دلیل علی الطریق إلی الله إلا متابعة الرسول صلی الله علیه وسلم فی احواله وأفعاله واقواله.

(جس شخص نے طریق حق کو معلوم کر لیا اس کیلئے اس راستہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے اور اللہ کے راہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کےاحوال اور اقوال اور افعال کی تابعداری کئے بغیر کوئی رہنمائی نہیں ہو سکتی) ۔

یہ ہیں وہ بلند اقوال اور پاکیزہ احوال جو ان لوگوں کے طرہ امتیاز ہیں بایں ہمہ لوگ ان پر زبان طعن دراز کرنے میں کوشاں رہتے ہیں سب سے زیادہ ابن عربی متوفی ٦٣٨ھ پر طعن و تشنیع کی گئی ذرا ان کا بھی عقیدہ سن لیجیئے ۔

انہوں نے فتوحات مکیہ کے آخری باب ٥٦٠ میں دو سو کے قریب وصیتیں دی ہیں ایک وصیت میں فرماتے ہیں :

علیک بالإقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی أحوالـه و أقواله و أفعاله إلا ما نص علیه أنه مختص به فیما لا یجوز لنا أن نفعله۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اقوال و افعال کی تابعداری کرنا اپنے اوپر لازم سمجھو سوائے ان امور کے جن کے بارے میں آپ نے وضاحت سے فرما دیا ہے کہ وہ آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور ہمارے لئے ان کا کرنا جائز نہیں)۔

یہ ہے ان کا مذہب اور یہ ہیں ان کے بنیادی اصول بھلا یہ لوگ ان بلند اصولوں کو چھوڑ کر کہیں اور جا سکتے ہیں یا اغیار کی طرف ان کی توجہ ہو سکتی ہے۔ پھر بھی نکلسن لکھتا ہے۔

(A Literary History of the Arabs: 231)
Accordingly I do not think that we need look beyond Islam for the origin of the Sufi doctrine, although it would be a mistake not to recognise the part which christian influence have had in shaping their early development.

یہاں نکلسن کہہ رہا ہے کہ تصوف کی تعلیمات میں عیسائیت کے اثر کو تسلیم نہ کرنا غلطی ہے اس قول میں نکلسن اپنی اسلام دشمنی کے اظہار سے باز نہیں رہ سکا ۔ یہی حال دیگر مستشرقین کا ہے کیونکہ استشراق کی بنیاد ھی پادریوں نے ڈالی تھی ۔

سب سے پہلا شخص جسے صوفی لقب دیا گیا ابوھاشم کوفی ھیں ، انہوں نے ١٦٠ ھ کے قریب وفات پائی ۔

ان کے بارے میں سفیان ثوری م ١٦١ ھ جیسے عظیم المرتبہ محدث فرماتے ھیں

ما زلت ارائی وأنا لا اشعر حتی جالست اباھاشم فاخذت منه ترک الریاء (٩) ۔

(ایک عرصه تک میں ریاکاری کرتا رھا اور مجھے اس بات کا احساس ھی نہ ھوا (کہ میں ریاکاری کر رھا ھوں) تا آنکہ میں ابوھاشم کی صحبت میں بیٹھنے لگا تو ان سے میں نے ریاکاری کو ترک کرنا سیکھا) ۔

ان کے زھد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جب انہوں نے شریک قاضی (م ١٧٧ھ) کو یحیی بن خالد برمکی (م ١٩٠ھ) کے گھر سے نکلتے ھوئے دیکھا تو رو پڑے اور فرمایا :

أعوذ بالله من علم لاینفع

صوفیه نے وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ھوئے بہت جلد تصانیف کرنا شروع کر دیا تھا چنانچہ سب سے پہلے عبداللہ بن مبارک رحمة الله م ١٨١ھ نے کتاب الزھد لکھی ۔ انہوں نے اس میں ان احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں زھد کی ترغیب پائی جاتی ہے ۔

اسی طرح ابوعبداللہ حارث بن اسد محاربی م ٢٤٣ھ نے کتاب الخلوہ و التنقل فی العبادہ ا التفکر والاعتبار اور الرعایة لحقوق الله لکھی ۔

مگر یه کتابیں خاص موضوعوں پر لکھی گئی تھیں۔

پھر وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے انھوں نے ایسی کتابیں تالیف کیں جو صوفیه کے متعدد مسائل پر مشتمل ہوں چنانچه جس طرح عربی ادب میں چار کتابیں بنیادی تصور کی جاتی ہیں اسی طرح تصوف میں بھی چار کتابوں کو بنیادی حیثیت دی جاتی ہے۔

سب سے پہلے ہم کتاب التعرف کو لیتے ہیں۔

اسکے مصنف ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلاباذی ہیں۔ کتاب کا نام التعرف لمذهب اهل التصوف ہے۔ کتاب کے نام ہی سے اس کے موضوع کا پتا چل جاتا ہے۔ اسی کتاب پر کلاباذی کی تمامتر شہرت کا مدار ہے۔ کلاباذی نے اس کتاب میں صوفیه کے عقائد احوال اور بعض اصطلاحات کی تشریح کی ہے۔

کلاباذی نے اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس کی۔ آربری اس بارے میں خاموشی سے گذر گیا ہے۔ صوفیه کے اخلاق اس بات کی اجازت نہیں دیتے که کسی کا نام لے کر اس کی برائی بیان کی جائے یہی وجه ہے که کلاباذی نے کسی کا صراحة ذکر نہیں کیا مگر کتاب کی بعض عبارتوں پر غور کرنے سے یه بات سمجھ میں آتی ہے که کلاباذی اہل سنت کا عقیده پیش کر کے یه بتانا چاہتے ہیں که ہمارا عقیده نه تو معتزله کا عقیده ہے نه کرامیه کا۔ چنانچه فرماتے ہیں

اجمعوا أن القرآن كلام الله على الحقيقة وليس بمخلوق ولا محدث و لاحدث (١٠)

(تمام صوفیه کا اس پر اتفاق ہے که قرآن درحقیقت الله کا کلام ہے اور یه که قرآن نه مخلوق ہے نه محدث نه حدث۔

کلاباذی نے یہاں قرآن کو مخلوق یا محدث یا حدث کہنے

والــوں مـیں سے کسـی کا نـام نهـیں لیـا تعـرف کے شارح المستملی البخاری اس قـول کی شـرح کرتے هوئے فرمـاتے هیں۔

گفت مخلوق نیست و محدث نیست و حدث نیست امّا مخلوق و محدث معتزله گفتند واما حدث و حادث کرّامیان گفتند چنیں گفتند که ما قرآن را حادث گوئیم و محدث و مخلوق نه گوئیم و قدیم و ازلی هم نگوئیم (۱۱)

یہاں کلاباذی نے اپنا عقیدہ بیان کرتے هوئے وضاحت کر دی ہے که صوفیه کا عقیدہ نه تو معتزله کا عقیدہ ہے نه کرامیه کا اور یه وہ زمانه تھا که کرامیة صوفیه کے بهیس بهیس میں لوگوں کو گمراہ کر رہے تھے۔

مزید برآں کلاباذی ایمان کا ذکر کرتے هوئے فرماتے هیں ایمان زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے اور فرائض پر عمل کرنا ایمان کی فرع ہے (۱۲)

اس کے خلاف معتزله اور خوارج اعمال کو ایمان کا جز و قرار دیتے هیں چنانچه صوفیه کے نزدیک فاسق مؤمن ہے اور معتزلـه اور خوارج کے نزدیک فاسق مؤمن نهیں کیونکه ان کے نزدیـک اعمال ایمان کا جز و هیں اور کرامیّه کے نزدیک ایمان صرف زبان سے اقرار کر لینے کا نام ہے خواہ دل سے اس کی تصدیق نه بھی کی جائے لهذا ان کے نزدیک وہ شخص جو دل میں کچھ اور هی عقیدہ رکھے مگر زبان سے اقرار کرے تو وہ شخص ان کے نزدیک مومن ہے۔

ان دو اندرونی شهـادتوں سے یه بات واضح هو جاتی ہے که کلاباذی اپنی براءت بیان کرنے کیلئے یه بتا رهے هیں که ان کے عقائد معتزله یا کرامیه یا خوارج کے سے عقائد نهیں اور یهی کتاب لکھنے کی غرض و غایت ہے۔

کلا باذی کی کتاب التعرف کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ شہاب الدین سہروردی مقتول ۵۸۷ھ کو یہ کہنا پڑا لولا التعرف لماعُرف التصوف اسی مقبولیت کی بنا پر اس کتاب کی شرحیں لکھی گئیں ۔

حاجی خلیفہ نے اس کتاب کی چار شرحوں کی نشان دھی کی ہے

۱) خود کلا باذی نے اس کی شرح لکھی جس کا نام حسن التعرف رکھا ۔ مگر آربری نے اسے غلط قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ نام تو قونوی کی شرح کا ہے۔

۲) عبداللہ بن محمد بن علی الانصاری الھروی المتوفی ۴۸۱ھ نے بھی اس کی شرح لکھی۔

۳) علاؤ الدین علی بن اسماعیل القونوی المتوفی ۷۲۹ نے بھی شرح لکھی۔

۴) اسماعیل بن محمد بن عبداللہ المستملی المتوفی ۴۳۴ ھ نے بھی شرح لکھی ۔ یہ شرح چھپ چکی ہے اور مستملی نے اس میں بہت مفید باتیں پیش کی ھیں ۔

المستملی کلا باذی کیلئے شیخ کا لفظ استعمال کرتے ھیں جس سے ظاھر ھوتا ہے کہ اس نے کلا باذی سے استفادہ کیا ہے۔

مستملی پہلے اصل عبارت کا فارسی میں ترجمہ پیش کرتے ھیں پھر موقعہ اور محل کے مطابق اس کی شرح بھی کرتے ھیں مگر کئی ایک مقامات پر ترجمہ کی بجائے محض مفہوم دے دیا ہے کلا باذی کی ایک اور تصنیف کا بھی پتا چلتا ہے جس کا نام بحر الفوائد فی معانی الاخبار ہے اس میں کلا باذی نے ۲۲۲ احادیث کی شرح کی ہے۔

مستملی نے کلا باذی کی ایک اور کتاب کا ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتے ھیں (شرح تعرف :۲ :۱٦٦) : باز شیخ رحمۃ اللہ در کتاب کہ آنرا مثل الروح و الجسد و القلب نام کردہ است .

اسی زمانه میں ابو نصر عبداللہ بن علی بن محمد بن یحیی سرّاج طوسی نے کتاب اللّمع فی التصوف لکھی ابونصر زاھدوں کی اولاد سے تھے فتوت اور صوفیه کی ترجمانی کرتے میں یه اپنے علاقے میں مرجع خلائق تھے انھوں نے مسائل تصوف کی تائید میں شرعی دلائل و براھین پیش کئے ھیں۔ سرّاج صوفیه کے فقیه مانے جاتے تھے۔ انھوں نے ۳۷۸ ھ میں وفات پائی۔

ابوالمحاسن ۸۷۴ھ نے نجوم میں لکھا ہے که سرّاج کی وفات نیشاپور میں نماز کے دوران ھوئی اور انھیں طوس میں دفن کیا گیا۔ (آربری مقدمه تعرف)

ذھبی کے بیان کے مطابق ان کے والد کی وفات سجدے کی حالت میں ھوئی (آربری)

ابونصر نے کتاب اللمع کو نہایت عمدہ طریقے سے مرتب کیا ہے۔ اس میں انھوں نے نه صرف صوفیه کے اقوال پیش کئے ھیں بلکه ان کے اشعار اور خطوط کے اقتباسات بھی درج کر دئے ھیں۔

جن لوگوں سے انھوں نے اقوال نقل کئے ھیں ان میں بیشتر اولیائے کبار اور زھاد عِظام ھوئے ھیں اور یه ان کی خوش بختی اور عنداللہ عظیم المرتبت ھونے کا بین ثبوت ہے۔

ابونصر سرّاج کے ایک معاصر ابو طالب محمد بن علی بن عطیه مکی حارثی (متوفی ۳۸٦ھ) نے بھی تصوف پر کتاب لکھی جس کا نام قوت القلوب فی معاملة المحبوب و وصف طریق المرید الی مقام التوحید رکھا۔ کتاب کا نام سننے سے ھی معلوم ھو جاتا ہے که مصنف اس کتاب میں کس قسم کے مسائل اور مضامین پیش کرنا چاھتا ہے۔

حاجی خلیفه کہتا ہے: دقائق طریقت کے بارے میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی اور اس کا مؤلف علوم صوفیه کی ایسی باتیں پیش

کرتا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے پیش نہیں کیں ۔ اس کتاب کی ۴۸ فصلیں ہیں مثلاً کتاب الزکوۃ،کتاب الصوم،کتاب الحج وغیرہ ۔ رسالہ قشیریہ کے بعض ابواب اور اس کتاب کے بعض ابواب میں مطابقت پائی جاتی ہے۔

ابوطالب کو فقہ اور حدیث میں کامل عبور حاصل تھا ۔ انہوں نے فقہی مسائل کو صوفیوں کے طرز میں پیش کیا ہے اور مسائل تصوف کی دلائل کے ساتھ توضیح کی ہے۔

ابوطالب نے اس کتاب میں روز مرہ کے اس کے اس قدر روزاد درج کر دئے ہیں کہ راقم کے نزدیک اس زمانے میں ان پر عمل کرنا ناممکن ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر شیخ امام محمد بن خلف اموی اندلسی متوفی ۴۸۵ ھ نے اس کا اختصار کیا اور اس کا نام الوصول الی الغرض المطلوب من جواہر قُوت القلوب رکھا۔

تصوف کی بنیادی کتابوں میں زمانہ کے اعتبار سے آخری کتاب جو تصوف پر لکھی گئی وہ رسالہ قشیریہ ہے اس کے مؤلف ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری (متوفی ۴۶۵ھ) ہیں ۔

قشیری نے رسالہ میں خود ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اسے ۴۳۷ھ میں تالیف کیا ۔ انہوں نے اس کتاب کے لکھنے کی وجہ کہیں بیان نہیں کی ۔

سید عطا حسین (مقدمہ شرح گیسو دراز) کا یہ کہنا کہ یہ کتاب باطنیہ کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی درستِ نہیں کیونکہ باطنیہ نے بہت بعد کے زمانے میں زور پکڑا ۔

اسی طرح آربری کا یہ کہنا (Sufism : 74) کہ یہ کتاب ملامتیہ کے خلاف لکھی گئی درست نہیں اس لئے کہ ملامتیہ کا کتاب میں کہیں ذکر نہیں آیا نہ اشارۃً نہ کنایۃً

اس کے برعکس قشیری کی اپنی عبارت جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب معتزلہ اور کرامیہ کے خلاف لکھی گئی ۔

ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں قیشری کا ذکر کیا ہے جو اس کے عظیم المرتبت محدث ہونے کی دلیل ہے۔ قشیری مفسر بھی ھیں اور محدث بھی فقیہ بھی ھیں اور ادیب بھی ھیں اور بلند پایہ شاعر بھی انہوں نے رسالہ میں ایک باب حُب کے بارے میں لکھا ہے جس میں انہوں نے لفظ حب کے اشتقاقات کی لغوی تحقیق کی ہے اور ساتھ شعری استشہادات پیش کئے ھیں جس کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قشیری ایک عظیم لغت دان تھے ۔

بلند پایہ مصنفین اپنی تصانیف میں قشیری کے اقوال طور سند پیش کرتے ھیں ۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۳ نے) فتح الباری میں جابجا انھیں بطور سند کے پیش کیا ہے۔

قشیری نے رسالہ میں صوفیہ کے مشہور افراد کا مختصراً ذکر کر دیا ہے اور ان کے احوال و اقوال کا بھی ذکر کیا ہے اور چند اصطلاحات کی تشریح کی ہے۔ اولیاء اللہ کی کرامات کیلئے ایک الگ باب باندھا ہے اور آخر میں شیخ اور مرید کے آداب بیان کر دئے ھیں۔

رسالہ کی قدر و قیمت کے پیش نظر شیخ الاسلام قاضی القُضَاۃ زکریا بن محمد بن احمد انصاری متوفی ۹۲۵ نے اس کی شرح لکھی اور اس شرح پر استاد سید مصطفی عروسی نے حاشیہ لکھا جس کا نام نتائج الأفکار القدسیة فی بیان معانی شرح الرسالة القشیره رکھا ۔ سید مصطفی عروسی نے یہ حاشیہ ۱۲۷۱ھ میں مکمل کیا ۔

تصوف میں مذکورہ بالا جو کتب لکھی گئیں ان میں شرعی حدود کو مکمل طور پر پیش نظر رکھا گیا اس لئے کہ ان کے مذہب کی بنیاد

ہی کتاب و سنت پر ہے۔ یہ تو وہ امور ہیں جن پر عمل کرنا ہر نیک آدمی نہیں ہر مؤمن پر فرض ہے اہل اللہ اس سے آگے قدم رکھتے ہیں کیونکہ منتہی یہیں تک نہیں ۔ ان کا مطمح نظر اور مقصد اعلی قرب الٰہی ہے اور وہ اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں لہذا یہ ان تمام منازل کو جن کا ذکر کیا گیا سے گذر کر روحانیت کے باب میں داخل ہو جاتے ہیں ۔ یہ روحانیت ان کی خاص باطنی کیفیت ہوتی ہے جس کے لاتعداد مراحل و مدارج ہیں۔ اس مقام پر ہر صوفی کی کیفیت اپنے اپنے مرتبہ و مقام و حال کے مطابق ہوتی ہے اس کیفیت کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا اور نہ ہی اہل ظاہر میں اس کیفیت کے سمجھنے کی طاقت ہے۔

شیخ احمد سرہندی المعروف به مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ نے اس کی صرف جھلک دکھائی ہے جسے میں یہاں پیش کر رہا ہوں تاکہ آپکو کچھ اندازہ ہو جائے کہ ان کے باطن کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں :

وَاعلَمْ أَنَّ الرّوحَ لمّاَ فَارَقَ الجَسَدَ بالموت الذی هو قبل الموت وَجَدَ العَارِفُ الوَاصِلُ رُوحَهُ غيرَدَاخِلٍ فی الجَسَد ولا خارجٍ منه ولا مُتَصِلٍ معه ولا مُنفَصِلٍ منه ووَجَدَ اَنَّ للروح تعلّقاً مع الجَسَدِ لِصَلَاحِ الجَسَدِ بل لِغَرَضٍ يَعُود الی الروح كمالُه أيضاً وذلک التعلق هو منشأ الصلاح والخير فی الجَسَدِ ولولا ذلک التعلق لَصَارَ الجسد بِحَذَا فِيرِه شراً ونقصا (۱۳)

(آپ کو معلوم ہونا چاہئیے کہ جب روح اس موت کی وجہ سے جسم سے جدا ہو جاتی ہے جو حقیقی موت سے پہلے ہوتی ہے تو عارف واصل یوں پاتا ہے کہ اس کی روح نہ جسم میں داخل ہے اور نہ جسم سے باہر نہ روح کا جسم سے اتصال ہے

اور نہ اس سے جدا ہے اور یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ جسم کی بہتری کیلئے روح کا جسم سے تعلق ہے بلکہ اس تعلق کی ایک غرض ھوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس روح کا کمال روح کی طرف عود کر آتا ہے یہی تعلق جسم کی صلاح و خیر کا سبب ھوتا ہے اگر یہ تعلق نہ ھو تو جسم ھمہ تن شر اور نقص بن جائے ۔

حوالہ جات

١ ۔ ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ ص ١٢٨

٢ ۔ جرجی زیدان ، تاریخ الآداب، اللغة العربية : ٢: ٣٣٢

٣ ۔ نولڈکے (Noldeke) Z.D. M. G جلد ٣٨ صفحہ ٣٥

٤ ۔ ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ : ٣

٥ ۔ ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ ، طبع قاھرہ ، ١٩٣٠ صفحہ ١٦

٦ ۔ ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ : ١٣ ؛ لواقح الانوار : ٦٦

٧ ۔ لواقح الانوار ، ٦٦

٨ ۔ ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ : ٢٥

٩ ۔ صفة الصفوة : ٢ : ٨٣

١٠ ۔ ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ ص ١٨

١١ ۔ شرح تعرف ١ : ١٥٨

١٢ ۔ التعرف (ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن) : ١١٩

١٣ ۔ مبدأ و معاد : ٢٢

★